عارف صدیق
اسکالر، پی۔ایچ۔ڈی اردو، یونی ورسٹی آف سرگودھا

عبداللہ حسین کے ناولوں میں ناسٹلجیائی عناصر

Arif Saddiaque
Scholar Ph.D, Department of Urdu, University of Sargodha.

Nostelgic elements in the novels of Abdullah Hussain

Abdullah Hussain is a remarkable Urdu novelist who masterly portrays the spectrum of humain and social life in his novels. We can see the external context and the internal world of the characters as well. Nostalgia is a remarkable phenomenon of human psychology. Its significant depiction can be witnessed in modern fiction. This study attempts to define nostalgia and distinguish it from ordinary memories of past. It also attempts analyze nostalgic elements dwpicted in the novels of Abdullah Hussain in particular.

Keywords: *Nostalgia, Ordinary memories of past, Sence of dislodging from roots.*

انسان زندگی میں نامساعد حالات سے نکلنے کے لیے جو کوششیں کرتا ہے ان میں جسمانی کوششوں کے ساتھ ساتھ بہت سے نفسیاتی عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ یہ نفسیاتی عوامل مختصر وقت کے لیے ہی سہی انسان کو موجودہ کرب ناک صورت حال سے چھٹکارا دلا کر ماضی کے اس لمحے میں لے جاتے ہیں جو اس کے لیے ذہنی تسکین کا باعث بنتا ہے۔ ماضی میں لوٹنے کی خواہش کو ناسٹلجیا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ناسٹلجیا کا لفظ جس قدر عام مستعمل ہو چکا ہے اسی قدر اس میں پیچیدگیاں بھی پیدا ہو چکی ہیں۔ اکثر ناقدین کے ہاں ناسٹلجیا کو یادِ ماضی کے معنوں میں لیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ماضی کی ہر یاد ناسٹلجیا ہے؟۔ اس سوال کے جواب کی تلاش کے لیے ہمیں ناسٹلجیا کے بارے میں بیان کیے گئے مختلف خیالات سے رجوع کرنا ہو گا۔ یہاں ہمارے سامنے دو طرح کی آرا ہیں۔ ایک وہ جن میں اس لفظ کے لغوی معنی بیان کیے گئے ہیں اور دوسری مختلف ناقدین کی آرا جو اس کی وضاحت کرتی ہیں۔ لغوی معنی کے اعتبار سے ایڈوانس پریکٹیکل ڈکشنری میں ناسٹیلجیا کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں:

> "Nostalgia: N. Home Sickness"
>
> وطن یا گھر سے دور، وطن یا گھر کی یاد، یادِ وطن کا عارضہ، وطن واپس جانے کی خواہش، ماضی پرستی۔"(۱)

ناسٹلجیا کے انھی سے ملتے جلتے معنی ایک اور لغت میں یوں بیان کیے گئے ہیں کہ ناسٹلجیا، ماضی کی حسرت ناک یادیں، ماضی کی یاد دلانے والی شے یا اشیا، گھر کی یاد، گھر سے دوری کا شدید احساس کا نام ہے (۲)۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں ناسٹیلجیا سے مرادSentimental Memoryیا جذباتی یاد"(۳) ویبسٹر انگلش ڈکشنری میں ناسٹیلجیا سے مراد:

"خوشی اور غم کا وہ احساس جو ماضی کے کسی ایسے لمحے کی یاد دلائے جسے آپ دوبارہ برتنا چاہیں"۔(۴)

ناسٹلجیا کے یہ لغوی اور اصطلاحی معنی کافی حد تک اس کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہیں۔ لغوی معنوں کے حوالے سے ناسٹلجیا کا تجزیہ کرتے ہوئے احمد سہیل لکھتے ہیں:

"ناسٹیلجیا کا مفہوم غالباً ہمارے یہاں "خانہ اداسی" لیا جاتا ہے حالانکہ 'خانہ اداسی' کا مطلب 'Home Sickness' ہے نہ کہ ناسٹیلجیا جو کہ بظاہر لاطینی لفظ معلوم ہوتا ہے۔ حقیقتاً دو یونانی الفاظNostos واپسی اورAlgos بمعنی درد ہیں سے مل کر بنا ہے۔ لفظی طور پر ناسٹیلجیا کے معنی 'درد آلود واپسی' ہو گا۔ اس اعتبار سے اسے پس کربیہ بھی کہہ سکتے ہیں مگر یہ کرب ماضی کی جانب واپسی سے مشروط و منسوب ہے۔"(۵)

نفسیاتی تناظر میں دیکھنے سے یہ تعریف ناسٹلجیا کے اصل مفہوم کے قریب نظر آتی ہے۔اس تعریف میں احمد سہیل نے ماضی کی جانب واپسی کی شرط لگا کر ناسٹلجیا کے مفہوم کو مزید واضح کر دیا ہے۔ اس پر مزید بات کرنے سے قبل ناسٹلجیا کی ایک اور تعریف دیکھتے ہیں۔ محمد عاصم بٹ کہتے ہیں:

"ناسٹیلجیا خود کو دہرانے کی خواہش کا نام ہے۔ ناسٹیلجیا سے مراد اپنے ماضی کی طرف لوٹنے کا عمل ہے۔ ماضی سے مراد، اپنا وہ سب کچھ جو ہو چکا ہے اور وہ سب کچھ جو پہلے تھا، اس کی طرف لوٹنے کی خواہش ناسٹیلجیا ہے۔"(۶)

محمد عاصم بٹ نے بھی ناسٹلجیا کو ماضی کی طرف لوٹنا قرار دیا ہے۔ لیکن انھوں نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ ماضی کے کس لمحے کی طرف لوٹنا ناسٹلجیا ہے۔ ان کے نزدیک ماضی وہ سب کچھ ہے، جو ہو چکا ہے۔ حقیقت میں یہ تعریف بھی ناسٹلجیا کے ایک مخصوص زاویے کو ہی ظاہر کرتی ہے۔ اس کی مکمل وضاحت نہیں کرتی، کیونکہ اگر ماضی کو گزرے ہوئے "سب کچھ" کے حوالے سے سامنے رکھا جائے تو کوئی بھی شخص ماضی کے ان لمحات کی طرف لوٹنے کی خواہش نہیں کرے گا جو اس کے لیے حال سے زیادہ تکلیف کا باعث بنے ہوں۔ قاضی جاوید ناسٹلجیا کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بہت سے دوسرے خیالات اور احساسات کی طرح ناسٹیلجیا کا احساس بھی ہماری سماجی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ وہ ہمیں ماضی کے لمحات اور مقامات میں سے ایسے اجزا تلاش کرنے پر آمادہ کرتا ہے جو ہماری موجودہ صورتِ حال کی ناگواری کا مداوا کر سکے۔"(۷)

ان تعریفوں کے علاوہ بھی ہمیں ناسٹلجیا کی بہت سی تعریفیں ملتی ہیں جن میں سے اکثر میں اسے یادِ ماضی سے ہی تعبیر کیا گیا ہے۔ اب تک بیان کیے گئے لغوی معنی اور تعریفوں کو دیکھا جائے تو ناسٹلجیا کا مفہوم ماضی کی یاد اور ماضی کی طرف لوٹنے کا عمل ہے قرار پاتا ہے۔ یہاں ہمیں تھوڑی دیر کے لیے رک کر اس مسئلے پر غور کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ماضی کی طرف مراجعت کب اور کیوں کر ہوتی ہے؟

انسان زندگی کے لوازمات پورے کرتے ہوئے بہت سے حالات سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ ان حالات میں اسے بعض میں کامیابی نصیب ہوتی ہے اور بعض میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس ناکامی کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان نے موجودہ حالات میں مزید بہتری لانے کے لیے جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ اس میں ناکام ہو کر اپنی پہلی حالت میں واپس آجاتا ہے، ایسی صورت حال میں ماضی اس کے لیے معمول کا امر ثابت ہوتا ہے۔ وہ اسی معمول میں دوبارہ زندگی گزارنے لگ جاتا ہے ۔ناکامی کی دوسری صورت یوں سامنے آتی ہے کہ انسان جن حالات کو بدلنے کی خاطر آگے بڑھا ہوتا ہے، ان میں تبدیلی لانے میں ناکامی کے ساتھ ساتھ وہ ان سے بھی زیادہ نامساعد حالات کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ ان نامساعد حالات کا موازنہ ماضی کے اچھے اور خوش گوار حالات سے کرتا ہے۔ اس صورت حال میں اسے ماضی، حال سے زیادہ مسرت انگیز اور خوش گوار محسوس ہونے لگتا ہے۔ کچھ دیر کے لیے وہ خود کو دوبارہ ماضی کے ان لمحات میں کھو دیتا ہے اور دل میں یہ خواہش جنم لیتی ہے کہ وہ لمحات دوبارہ اس کی گرفت میں آجائیں۔

ایسی صورت حال اس وقت جنم لیتی ہے جب نہ صرف انسان کی خواہشات اور توقعات ادھوری رہ جاتی ہیں، بل کہ یہ ادھورا پن اس کے لیے نفسیاتی اذیت کا سبب بنتا ہے۔ ایسی صورت حال میں انسان اپنے ماضی کے خوش گوار اور مسرت انگیز لمحات کو یاد کرتا ہے اور ان میں دوبارہ لوٹ جانے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ یہی خواہش اسے نفسیاتی طور پر جذبات اور احساسات کے ذریعے ماضی میں لے جاتی ہے۔

ماضی کی طرف لوٹنے کی خواہش کی ایک اور وجہ انسان کی اپنے گھر سے دوری بھی ہے۔ انسان حصولِ رزق یا کسی دوسرے مقصد کے لیے گھر سے نکلتا ہے۔ ابتدا میں تو اسے نئے سفر کی امنگ اور اور نئی منزلوں کی چاہت آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی رہتی ہے لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ نفسیاتی طور پر وہ اپنے گھر اور گھر والوں کے لیے بے چین ہو جاتا ہے۔ بظاہر وہ اپنے نئے کام میں کسی کوفت یا پریشانی کا سامنا نہیں کر رہا ہوتا لیکن جب گھر لوٹنے کی خواہش اس کے دل میں جنم لیتی ہے تو اس کے لیے اس کا معمول بھی تکلیف کا باعث بننے لگتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ انسان کا اپنے گھر اور گھر والوں سے لگاؤ کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ وہ گھر لوٹ جانے کی خواہش دل میں پالنے لگتا ہے۔ گھر لوٹ جانے کی یہ خواہش گویا ماضی میں لوٹ جانے کی خواہش قرار پاتی ہے۔ ماضی کی طرف انسان کی یہ نفسیاتی مراجعت ہی ناسٹلجیا قرار پاتی ہے۔ یوں یادِ ماضی کے ناسٹلجیا بننے کے لیے یہ ضروری قرار پاتا ہے کہ:

ا۔ انسان کے موجودہ حالات ماضی کی نسبت نامساعد اور تکلیف دہ ہوں۔

۲۔وہ موجودہ نامساعد حالات کا ماضی سے موازنہ کرے اور ماضی کو بہتر محسوس کرے۔موازنہ کرتے وقت اس کے حالات (نفسیاتی طور پر) ایسے ہوں کہ اسے تڑپا کر رکھ دیں اور وہ ماضی میں لوٹ جانے کو بہتر خیال کرے۔

۳۔جس وقت وہ موازنہ کر کے ماضی کی طرف لوٹ رہا ہوتا ہے اس وقت وہ کسی جسمانی مشقت میں مبتلا نہ ہو بلکہ وہ اس جسمانی اور ذہنی مشقت کے اثرات تو اس پر لازمی ہوں گے لیکن وہ کچھ وقت کے لیے اس مشقت نکل آیا ہو تبھی وہ سوچنے میں آزادی محسوس کرے گا۔

۴۔ ناسٹلجیا نفسیاتی عمل ہے اور اس میں انسان جذبات اور احساسات کے ذریعے ماضی میں سفر کرتا ہے۔اس کے دل میں ماضی میں نہ صرف بس جانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے بل کہ بعض اوقات وہ نفسیاتی طور پر ماضی میں یوں کھو جاتا ہے کہ چند لمحات کے لیے ہی سہی وہ حال سے نکل جاتا ہے۔

یوں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ماضی کی ہر یاد ناسٹلجیا قرار نہیں دی جا سکتی۔ناسٹلجیا اس وقت قرار پائے گا جب نفسیاتی اور جذباتی طور پر انسان ماضی میں لوٹ جانا چاہے یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا جب ماضی کو حال کی نسبت بہتر خیال کر ے گا۔ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب ماضی خوشگوار ہو۔اگر ماضی کے حالات حال سے زیادہ تکلیف دہ رہے ہوں گے تو نامساعد حالات میں گھرا شخص موجودہ حالات سے نکلنے کے لیے ماضی میں لوٹنے کی بجائے کوئی اور راستہ اختیار کرے گا یا اختیار کرنے کا سوچے گا۔

ناول وسیع کینوس کی صنف ادب ہے۔اس میں کردار زندگی کے مختلف حالات سے گزرتے ہیں۔بعض اوقات وہ ایسے حالات کا شکار بھی ہو جاتے جہاں ان میں ناسٹلجیا جنم لینے لگتا ہے۔(یہ ناول نگار کا اپنا نفسیاتی رجحان بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے موجودہ حالات سے ماضی کو بہتر محسوس کر رہا ہو اور اسے کرداروں کی زبان سے ادا کر رہا ہو)۔

اردو ادب میں یوں تو مختلف سیاسی و سماجی حالات کی عکاسی ناسٹلجیا کا باعث بنی ہے لیکن تقسیم ہند کے واقعہ کے بعد تخلیق ہونے والے ناولوں میں یہ رجحان زیادہ شدت سے سامنے آیا ہے۔اس کی بڑی وجہ تقسیم کے عمل سے پیدا ہونے والے وہ نامساعد حالات تھے جو قتل و غارت اور عصمت دری کے واقعات سے پیدا ہوئے۔سماج کے عام فرد کی طرح ناول نگار بھی ان قتل و غارت اور عصمت دری کے حالات سے ماضی کو بہتر سمجھنے لگے۔ایسے ناول نگاروں میں سر فہرست انتظار حسین ہیں ۔ان کے ناولوں "بستی"، "تذکرہ" اور "آگے سمندر ہے" میں ناسٹلجیائی رجحان ملتا ہے۔ان کے علاوہ ناسٹلجیائی رجحان کے تحت لکھے جانے والے ناولوں میں ،عزیز احمد کا "ایسی بلندی ایسی پستی"،الطاف فاطمہ کا "نشانِ محفل"، قراۃ العین حیدر کا "آگ کا دریا"، خدیجہ مستور کا "آنگن"، صدیق سالک کا "پریشر کُکر"، بانو قدسیہ کا "راجہ گدھ"، خالدہ حسین کا "کاغذی گھاٹ"، انیس ناگی کا "دیوار کے پیچھے" اور طارق محمود کا "اللہ میگھ دے" اہمیت کے حامل ہیں۔ان ناولوں میں مختلف سیاسی و سماجی حالات کے تناظر میں ناسٹلجیائی عناصر ملتے ہیں۔

عبداللہ حسین اردو ناول نگاری کی روایت میں ایسے ناول نگار کے طور پر سامنے آئے ہیں جنھوں نے مختلف سیاسی و سماجی حالات کے تناظر میں برصغیر کی تاریخ کو اپنے ناولوں میں سمویا ہے۔ پہلے ناول "اداس نسلیں" سے شروع ہونے والا ان کا ناول نگاری کا سفر "نادار لوگ" تک پہنچتے پہنچتے تقریباً ڈیڑھ صدی کے سیاسی و سماجی حالات کو ناول میں سمو دیتا ہے۔

عبداللہ حسین نے جن کرداروں کے ذریعے سیاسی و سماجی حالات کی عکاسی کی ہے وہ سماج سے ہی اٹھے ہیں اور سماج میں ہی پروان چڑھے ہیں۔ ان کرداروں کا بڑا مسئلہ ہے ماضی کی یاد ہے۔ عبداللہ حسین کے اکثر کردار کہانی میں آگے بڑھتے ہوئے بار بار ماضی کو دیکھتے نظر آتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ماضی کی یاد ہوتے ہوئے بھی ان کے بہت کم کردار ایسے ہیں جو ماضی میں لوٹ جانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ عبداللہ حسین کرداروں کو حال سے ماضی کی طرف دیکھنے پر تو مجبور کرتے ہیں ان کی ماضی میں لوٹنے کی خواہش سامنے نہیں آتی۔ اداس نسلیں کا نعیم، عذرا، علی اور دیگر کرداروں کے ہاں یہی چیز نظر آتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ماضی میں لوٹنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ حسین کے ناولوں میں ماضی کی یاد کے باوجود ناسٹلجیا کے عناصر بہت کم دکھائی دیتی ہے۔

ناسٹلجیا کے حوالے سے عبداللہ حسین کے پہلے ناول "اداس نسلیں " کا مطالعہ کیا جائے تو اداس نسلیں کے بیشتر کرداروں میں ناسٹلجیا کے عناصر دکھائی نہیں دیتے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کرداروں کا ماضی کوئی خاص تہذیبی او رثقافتی روایات کا امین نہیں، جس کی طرف لوٹنے کی خواہش ان کے دل میں جنم لے۔ اداس نسلیں کے کردار اپنی اصل سے اکھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کرداروں کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اصل سے اکھڑ جانے کی وجہ سے اب ان کے سامنے کوئی خاص منزل نہیں بلکہ ہر مقام ہی ان کے لیے منزل قرار پانے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ایک مقام کے نامساعد حالات کا شکار ہوتے ہیں تو ماضی کی طرف دیکھنے کے باوجود آگے نئے مقام کو بڑھنے لگتے ہیں۔ نعیم کو دیکھیں تو کسان کا بیٹا ہو کر وہ اپنے کھیتوں سے دور ہے۔ اس کی پرورش جس ماحول میں ہوئی اسی ماحول نے اسے اپنی اصل سے دور کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی شخصیت میں کہیں بھی ٹھہراو نظر نہیں آتا۔ وہ محض خاندان کے ماتھے پہ لگا داغ دھونے کی خاطر اس جنگ میں کود پڑتا ہے جس سے بچنے کے لیے لوگ خود کو چھپاتے ہیں۔ جنگ اس کے لیے کوئی خوشگوار تجربہ ثابت نہیں ہوتی اس کے باوجود اس کے دل میں اپنے ماضی کی طرف لوٹنے کی خواہش پیدا نہیں ہوتی ۔ جنگ میں زخمی ہو کر ایک بازو کٹوانے اور وکٹوریا کراس کا حاصل کرنے کے بعد جب وہ واپس لوٹتا ہے تو اب پہلے سے زیادہ زمین اور مراعات حاصل ہونے کے باوجود گھر اس کے لیے تسکین کا باعث نہیں بن پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دوبارہ نکل کھڑا ہوتا ہے اور شدت پسند گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد بھی اس کے ہاں ماضی کے کسی لمحے میں لوٹ جانے کی کوئی خواہش پیدا نہیں ہوتی۔

اداس نسلیں کا دوسرا اہم کردار عذرا ہے ۔ عذرا نے نعیم سے شادی سے قبل ایک شاندار ماضی گزارا ہوتا۔ نعیم سے شادی کے بعد اس کی زندگی میں پہلے سے خوشیاں کم اور دکھ اور مصائب زیادہ آجاتے ہیں لیکن ایک شاندار تہذیبی اور ثقافتی ماحول میں زندگی گزارنے والی عذرا ناول میں کہیں بھی واپس اس ماحول میں جانے کی خواہش دل میں پیدا نہیں ہونے دیتی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاندار تہذیبی اور ثقافتی ماضی ہونے کے باوجود وہ وہاں کیوں نہیں لوٹنا چاہتی تو اس کا

جواب یہ ہے کہ ماضی میں اس کی حیثیت اس ماحول میں محض ایک فرد کی سی تھی۔ وہ اس روشن محل اور اس کی تہذیب میں پلی بڑھی ضرور تھی لیکن وہ سب اس کے باپ کا تھا، اس کے بھائی کا تھا۔ اس کا اپنا وہی کچھ تھا جو نعیم کی صورت میں اسے ملا۔ اس لیے وہ اسی کی ہو کر رہ گئی۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ شادی کے بعد عورت خواہ کتنی ہی مجبور کیوں نہ ہو وہ کبھی یہ نہیں چاہتی کہ واپس ماں باپ کے آنگن میں جا بسیرا کرے۔ یہی فطری امر عذرا کو بھی مصائب کے باوجود ماضی کی طرف لوٹنے سے باز رکھتا ہے۔

اداس نسلیں میں روشن محل تہذیبی اور ثقافتی اقدار کا استعارہ بن کر سامنے آتا ہے۔ روشن محل کے مالک روشن آغا جب ہجرت کے بعد تقسیم ہند کے ہنگاموں میں جان بچا کر اس روشن محل سے نکل بھاگتے ہیں تو اپنا دل و دماغ اسی روشن محل میں چھوڑ جاتے ہیں۔ پاکستان پہنچنے کے بعد ان کو اچھی کوٹھی روشن محل کے بدلے میں الاٹ ہو جاتی ہے لیکن روشن آغا اس ماضی کو نہیں بھول پاتے جس میں وہ ایک رکھ رکھاؤ کے مالک تھے۔ ایک تہذیبی اور ثقافتی روایت کے امین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ناسٹلجیا جنم لیتا ہے۔ وہ تقسیم ہند کے بعد شاندار کوٹھی میں رہنے کے باوجود روشن محل میں لوٹ جانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ کٹھن حالات اور مصائب انھیں روشن محل کے لیے تڑپاتے ہیں یہی تڑپ اس ضد پر لے آتی ہے کہ اس کوٹھی کا نام تبدیل کر کے ''روشن محل'' رکھ دیا جائے۔

> "آج سات روز سے وہ جانکنی کے عالم میں ہیں مگر پورے ہوش و حواس
> میں ہیں اور انتظار کر رہے ہیں....
> کیا فائدہ ہو گا آخر عجیب ضد ہے"
> "بس ان کی خواہش ہے"
> "....بھیا" آخر اس میں.... فائدہ ہے ہم کیوں نہ ان سے کہہ دیں"
> "کیا؟"
> "کہ نام بدل دیا گیا ہے" (۸)

اور پھر جب پرویز جھوٹ بول کر باپ کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے کہ عرض داشت منظور ہو کر آ گئی ہے نام بدل دیا گیا ہے اور اب یہ مکان روشن محل ہے تو منظر ملاحظہ ہو:

> " روشن آغا کے بے روح چہرے پر سرخی کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ انھوں نے کچھ کہا مگر صرف ہونٹ ہلے، پھر انھوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پرویز کا خیال ٹھیک نکلا........ اس نے گہری نظروں سے مرتے ہوئے شخص کو دیکھا جو کہ اس کا باپ تھا اور جس کی آخری جدوجہد ختم ہو چکی تھی۔" (۹)

گویا ماضی میں لوٹتے ہی وہ اس تسکین سے سرشار ہو جاتا ہے جو اس وقت اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن چکی تھی۔ اس خواہش کی تکمیل ہوتے ہی اس کی جدوجہد بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یوں روشن آغا کے ماضی کی طرف لوٹنے

میں روشن محل کی تہذیب بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ یہ ایسی تہذیب ہے جس میں روشن آغا نے پرورش پائی تھی۔ وہ رکھ رکھاؤ اس میں رچ بس گیا تھا جو اسے آخری وقت میں جان کنی کے عالم میں بھی اپنی طرف لوٹنے پر مجبور کرتا ہے۔

ناسٹلجیا کا اہم عنصر نامساعد حالات میں گھرے شخص کے لیے گھر کی یاد ہے۔ یہاں گھر محض ایک مکان یا عمارت کا نام نہیں رہ جاتا بلکہ گھر کی تہذیب اور اس گھر کے مکینوں کے برتاؤ کا عمل دخل زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ نعیم کا نامساعد حالات میں بھی گھر لوٹنے کی خواہش کا پیدا نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے ہاں گھر کا یہ کامل تصور سامنے نہیں آتا۔ بچپن میں ہی باپ کی گرفتاری کی وجہ سے وہ باپ سے دور رہا۔ چچا کے ہاں پرورش تو پائی لیکن چچا کے گھر کی تہذیب اس میں رچ بس نہ سکی۔ اپنے گھر میں سوائے ماں کے کوئی ایسا نہ تھا جس کی یاد اسے تڑپاتی لیکن اس سے وہ بچپن میں ہی دور رہنے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس لیے اس کے ہاں گھر محض مکان اور عمارت کا تصور ہی رکھتا ہے جب کہ روشن آغا کے ہاں گھر (روشن محل) ایک مکمل تہذیبی منظر نامہ لیے ہوتا۔ ان کے ہاں عمارت کی کوئی اہمیت نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ نئے گھر کو بھی روشن محل کا نام دیے جانے میں تسکین محسوس کرتے ہیں۔ یہاں ناسٹلجیا کا ایک اور عنصر احساسات اور جذبات کی آمیزش بھی سامنے آتا ہے۔ روشن آغا نئے مکان کا نام روشن محل رکھنے میں تسکین تو محسوس کرتے ہیں لیکن وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ماضی کے روشن محل کی شان و شوکت اور رکھ رکھاؤ یہاں نہیں ہو پائے گا اس کے باوجود وہ جذبات اور احساسات ہی ان کے لیے تسکین کا باعث بنتے ہیں جو قبل از تقسیم کے روشن محل سے وابستہ ہوتے ہیں۔ نعیم اور عذرا کے ہاں ماضی کی کسی چیز سے بھی ایسی جذباتی وابستگی نہیں ملتی۔

اداس نسلیں کے دیگر کردار ماضی کو یاد تو کرتے ہیں اور ان میں سے بعض کی ماضی سے حسین یادیں بھی وابستہ ہیں لیکن وہ دوبارہ وہاں لوٹ جانے کے احساس سے عاری ہیں اس کی ایک مثال یوں دیکھیے کہ بانو جب علی سے یہ کہتی ہے کہ:

> "وہ پہلا شخص تھا جس کے ساتھ مجھے دل سے محبت ہوئی تھی۔ مگر چند روز بعد وہ ہمیں چھوڑ کر بھاگ گیا، لیکن مجھے اب تک یاد ہے۔ پہلا شخص جسے ہم دل سے پیار کرتے ہیں، ہم کبھی نہیں بھولتے۔ بعد میں آنے والے سب لوگوں میں اس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔۔۔ تم بالکل اُسی کی طرح چلتے ہو۔"[۱۰]

تو اس یاد کو جو ماضی کے حسین لمحات سے وابستہ ہے اور زندگی بھر نہ بھولنے والی ہے لیکن یہ ماضی کی یہ یاد ناسٹلجیا نہیں بن پاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بانو کے دل میں بسے شخص کا متبادل اسے مل چکا ہے جو اسی کی طرح چلتا ہے۔ ماضی کے پیار کی طرف لوٹنے کا کوئی اشارہ تک اس کے ہاں نہیں ملتا۔ اس کا ماضی حسین ضرور ہے لیکن اس کا حال اس کے لیے تکلیف کا باعث نہیں بن رہا۔ وہ حال سے نکل کر ماضی میں جا بسنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتی۔

گھر لوٹنے کی خواہش کا اظہار جس قدر عبد اللہ حسین کے ناول "باگھ" کے کردار اسد کے ہاں نظر آتا ہے ویسا ان کے کسی اور کردار کے ہاں نہیں ملتا۔ باگھ میں دیگر ناولوں کی نسبت ناسٹلجیا کے عناصر زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اسد بار بار حال سے مضطرب ہو کر ماضی کو سوچتا ہے اور وہاں لوٹ جانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ یاد رہے کہ اسد کے ہاں بھی ماضی میں

لوٹنے کا عمل روشن آغا کی طرح گھر لوٹنے کا ہی عمل ہے۔ روشن آغا کا گھر تہذیبی اقدار کا استعارہ تھا تو اسد کے لیے گھر جائے پناہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اسد کا باپ اس وقت مر گیا تھا جب اس کی عمر تیرہ سال تھی لیکن تیرہ سال کا یہ عرصہ اس نے باپ کے ساتھ بھرپور انداز میں گزارا تھا۔ وہ اس کے ساتھ شکار کو جاتا۔ اس سے سوال جواب کرتا اور اس کے ساتھ ایک دوست کا سا برتاؤ تھا۔ اس کے گھر کا ماحول اس کے لیے اپنائیت لیے ہوئے تھا۔ اس گھر میں اس کے لیے وہ سب کچھ میسر تھا جس کی اسے بچپن میں ضرورت تھی۔ اس کے دوست اس گھر میں اس کے ساتھ آزادی سے کھیل سکتے تھے۔ باپ کی طرف سے نہ اس کے لیے کوئی رکاوٹ تھی نہ اس کے دوستوں کے لیے یہاں تک کہ سارے محلے میں ایک ان کا گھر ایسا تھا جہاں "جھیجو چیک مچولیاں" کھیلنے کی آزادی تھی[۱۱]۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس گھر کو اپنی یاد سے محو نہ کر سکا۔ یہ گھر اس کی یادوں میں یوں بس گیا تھا کہ چچا کے گھر ایک رات:

"وہ صحن میں اپنے بستر پر آنکھیں میچے بے حرکت پڑا کئی چیزوں کو یاد کرتا رہا۔ اپنے گھر کو، بالائی منزل کی کھڑکیوں کو جن میں سے دور تک شہر کے چوباروں کا نظارہ ہوتا تھا اور دل میں دل میں کچھ دیر تک وہ روتا بھی رہا۔"[۱۲]

گھر کی یاد اور پھر رونا ظاہر کرتے ہیں کہ اس گھر سے دوری اس کے لیے کوئی خوش گوار ثابت نہیں ہو رہی۔ اس کے اندر کسی ایسی چیز کے کھو جانے کا احساس بیدار ہو چکا ہے جو اسے اپنے گھر میں ہی میسر تھی۔ یہ درست ہے کہ چچا کے گھر میں بھی اسے کوئی تکلیف نہ تھی۔ یہ گھر جسے ناول نگار اسد کا نیا گھر کہہ رہا ہے بہت بڑے صحن اور تین کمروں پر مشتمل تھا۔ بالاخانے پر بھی کمرا تھا[۱۳]۔ تمام آسائشیں تو حاصل تھیں لیکن وہ یہاں آ کر تنہائی کا شکار ہو گیا تھا جس کی وجہ وہ تیرہ برس جو اس نے اپنے باپ کے ساتھ اپنے گھر میں گزارے تھے اور اب ماضی کا حصہ بن چکے تھے، وہ ان کے کھو جانے کا شدید کرب لیے تھا۔ یہاں اس کے لیے گھر اور باپ دونوں ناسٹلجیا کا سبب بنتے ہیں۔ روشن محل کی طرح یہاں بھی گھر عمارت نہیں رہتا بل کہ وہ جائے پناہ بن جاتا ہے جس میں اسے باپ کی رفاقت میسر ہوتی ہے۔ یہی گھر اور باپ کی رفاقت جب اس کے موجودہ حالات سے موازنہ کرتی ہے تو اسے ماضی، حال سے زیادہ مسرت انگیز اور تسکین بخش محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس کے دل میں واپس ماضی میں لوٹ جانے کی خواہش پیدا ہونے لگی اور:

"وہ سوچنے لگا کیا ہی اچھا ہو اگر وہ واپس اپنے گھر جا کر رہنے لگے۔ اس خیال کے آتے ہی اسے گمان ہوا کہ وہ واپس اپنے گھر میں پہنچ گیا ہے اور پہلے کی طرح وہاں رہ رہا ہے۔ بابا گھر میں چل پھر رہے ہیں اور جہاں جہاں جاتے ہیں وہیں وہیں سے کبھی اپنے آپ سے کبھی اس کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں۔ اس احساس سے اس کے جسم کو بڑا آرام پہنچتا ہے۔"[۱۴]

گھر اور باپ کی یاد ہی اسد کے ناسٹلجیا کے اہم عناصر قرار پاتے ہیں۔ ناسٹلجیا اور عام یادِ ماضی میں احساس کا فرق ہوتا ہے۔ ناسٹلجیا میں مبتلا شخص احساسات کی دنیا میں سفر کرتا ہے۔ اسے اپنے موجودہ حالات کا بھی احساس ہوتا ہے اور ماضی کا بھی۔ یہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ماضی میں لوٹنے کی خواہش اسی وقت پیدا ہو گی جب ماضی نے اس کے ذہن میں کوئی

احساس بیدار کیا ہو گا۔ اور یہ احساس تبھی بیدا ہو گا جب وہ شخص ماضی میں ایسے حالات گزرا ہو جو اس کے لیے سرمایہ حیات کا درجہ اختیار کر چکے ہوں۔ اگر ماضی میں خوش گوار حالات یا کوئی خاص تہذیبی و ثقافتی زندگی نہ گزری ہو تو پھر موجودہ حالات میں تکلیف اور مصائب کا شکار ہونے والا شخص ماضی میں لوٹنے کی بجائے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگتا ہے اور کوئی نئی راہ تلاش کرنے لگتا ہے۔ اداس نسلیں کے نعیم کا یہی مسئلہ ہے۔ وہ ہر جگہ موجودہ حالات سے نجات نئی راہ کی صورت میں چاہتا ہے۔ کھیتی باڑی کی بجائے خاندان کی عزت کے لیے فوج میں جاتا ہے۔ فوج کی کٹھن زندگی اور جنگ میں آتش و آہن کی بارش، نتھنوں میں ریت اور کیچڑ کے گھسنے، زخمی ہونے اور بازو کٹوانے کے باوجود ایک بار بھی اس کے دل میں ماضی کے لیے کوئی لطیف احساس تک پیدا نہیں ہوتا۔ وہ واپس گھر آ کر مطمئن نہیں ہوتا۔ اطمینان کے حصول کے لیے وہ ماضی میں لوٹنے کی بجائے آگے بڑھتا ہے اور شدت پسندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

اگر ماضی میں جان ہو تو ماضی انسان کو مرکز سے منسلک رکھنے کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے۔ روشن آغا کا ماضی جاندار تھا وہ مرتے دم تک روشن محل سے جڑے رہتے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف ماضی میں صاحبانِ اقتدار سے تعلقات استوار کیے تھے بلکہ سماجی سطح پر نچلے طبقے کے لوگوں میں بھی ان کا اثر رسوخ اس قدر زیادہ تھا کہ ان کے حکم پر لوگ پرائی جنگ میں کودنے کو بھی تیار ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ خود "روشن محل" بھی ان کے لیے شاندار ثقافتی اور سماجی روایات کا امین تھا۔ وہ جہاں بھی اپنا ذکر فخر سے کرتے ہیں ساتھ ہی روشن محل کا تذکرہ بھی اسی فخر سے ہوتا ہے۔

"باگھ" کے ہیرو اسد کو دیکھا جائے تو اس کی ماضی کی یادیں خوش گوار تھیں۔ اس کے باپ کا گھر اس کے لیے خوشگوار احساسات کا باعث بنتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ماضی اور اس گھر کو بار بار یاد کرتا ہے۔ وہ بار بار گھر لوٹنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ نعیم کے ماضی میں کچھ نہیں، اس کا باپ باغیانہ سرگرمیوں کے الزام میں جیل میں ہوتا ہے۔ خود وہ چچا کے ہاں رہتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس نے اچھی تعلیم پائی لیکن اس کی تعلیمی زندگی کی کسی بھی ایسی خوش گوار یاد کا ذکر ناول میں نہیں جس کی طرف وہ لوٹ جانا چاہتا ہو۔ اس کے ماضی میں کچھ نہیں اس لیے اس کے ہاں مرکزیت کا فقدان ہے۔ وہ آگے کی سوچتا ہے اور آگے جا کر جب پیچھے پلٹتا ہے تو اس کا سفر وہیں پہ ختم ہوتا ہے جہاں سے شروع ہوا تھا۔ وہ خاندان پہ لگا بغاوت کا داغ دھونے اور آنے والی نسلوں کو سرکاری ملازمت کا اہل بنانے کے لیے فوج میں جاتا ہے لیکن آخر کار خود اسی بغاوت کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ کر اس کی زمین سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور خاندان کے ماتھے پہ باپ کے ذریعے لگنے والے جس داغ کو وہ دھونے نکلتا ہے آخر کار اسی داغ کا سبب اپنی آنے والی نسلوں کے لیے وہ خود بھی بن جاتا ہے۔ یوں ثابت ہوا کہ ناسٹلجیا کے لیے جہاں حال کے نامساعد حالات کا کردار ہے وہاں ماضی کا بھی جاندار ہونا ضروری ہے۔ ناسٹلجیانہ صرف ماضی کی طرف لوٹنے کا عمل ہے بل کہ اس کو مثبت انداز میں لیا جائے تو یہ مرکزیت سے دور ہونے سے بھی بچاتا ہے۔

اسد کا ناسٹلجیا اسے مرکز پہ قائم رکھتا ہے۔ یہاں مرکز مائل ہونے سے مراد یہ نہیں کہ وہ ایک کھونٹے سے بندھا گھومتا رہتا ہے بل کہ اس کے ارتقائی مدارج ماضی سے آکسیجن حاصل کرتے ہیں۔ اس کے لیے وہ وقت جب وہ تیراکی میں مہارت کا مظاہرہ کر رہا ہوتا تھا اور اس کا جسم نئے سرے سے جی اٹھتا تھا اور وہ پانی کے اندر غوطے پہ غوطہ لگاتے چلا جاتا تھا،

زندگی کا ایسا وقت تھا جیسے وہ اپنا سرمایہ حیات قرار دے سکتا ہے۔ انتہائی مشقت کا وہ وقت بھی اس کے ذہن میں خوش گوار احساسات پیدا کرتا ہے۔ یہ خوش گوار احساسات ہی اسے توانائی فراہم کرتے ہیں۔ غوطہ خوری کے اس وقت میں سنی جانے والی دھنیں اس کے ذہن پر یوں چھائی ہوتی ہیں کہ تھانے میں جب ہر طرف سے مار دھاڑ کی تکلیف دہ آوازیں آرہی ہوتی ہیں تو اس کے ذہن میں ماضی کی بہت سی پرانی دھنیں اپنے سُر بکھیرنا شروع کر دیتی ہیں۔ اس کا ماضی اس کے لیے کرب ناک لمحات کی ذہنی اذیت (کیوں کہ اس پر جسمانی تشدد تو ہوا ہی نہیں) سے نکلنے کا سبب بن جاتا ہے۔ ناسٹلجیا کی یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ حال کی تکلیف سے نفسیاتی طور پر نکال کر ماضی کے مسرت انگیز لمحات میں لے جاتا ہے۔

عبداللہ حسین نے تاریخ جو کا بیان "اداس نسلیں" سے شروع کیا تھا "نادار لوگ" میں اسے بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی تک لانے کی کوشش کی ہے۔ اس ناول کے کردار بھی ماضی کو مختلف حوالوں سے یاد تو کرتے ہیں لیکن ان میں ماضی میں لوٹ جانے کی خواہش نظر نہیں آتی۔ "نادار لوگ" میں بعض جگہوں پر ہجرت کے اثرات کے تحت ناسٹلجیا ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہجرت نے بہت سے لوگوں کو اپنی جڑوں سے دور کر دیا تھا۔ تقسیم ہند سے قبل یہ لوگ سماجی حوالے سے اچھی زندگی گزار رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو ہندوستان میں تھوڑی بہت زمین کے مالک تھے اور کاشتکاری کرتے تھے۔ اپنی زمین اور فصل سے کاشتکار کو خاص لگاؤ ہوتا ہے۔ ہجرت کے بعد ان کو پاکستان میں زمینیں تو مل گئی تھیں لیکن ہندوستان میں موجود اپنی زمینوں اور فصلوں کی یاد ان کے ذہن سے محو نہ ہو سکی۔ وہ اس زمین اور فصل کا موازنہ اس انداز سے اپنی چھوڑی ہوئی زمینوں اور فصلوں سے کرتے ہیں کہ ماضی ان کے لیے حال سے زیادہ خوشگوار ثابت ہوتا ہے۔ "نادار لوگ" کا یعقوب اعوان ایک ایسا ہی کاشتکار ہے جو حال کا موازنہ ماضی سے کرتے ہوئے نفسیاتی طور پر ماضی میں پہنچ جاتا ہے اور تسکین حاصل کرتا ہے۔ وہ ہندوستان میں موجود اپنی زمین اور پاکستان میں ملنے والی زمین کے بارے میں یوں سوچتا ہے:

> "جو زمین شجاع آباد میں اسے ملی تھی وہ گزارا کرتی تھی مگر کبیرے کی زمین جیسی لائق نہ تھی۔ کھیتوں کے کنارے کنارے قدم رکھتا ہوا وہ مکئی کے کھیت تک پہنچا۔ یعقوب اعوان کی مکئی کا چھوٹے سے چھوٹا بھٹہ، اس نے یاد کیا، ایک ہاتھ لمبا ہوتا تھا، اور پوہ کے آخر تک، جب دوسروں کی مکی پک کر سرخ ہو چکی ہوتی تھی، اس کے بھٹوں کے سفید دانوں سے دودھ نکلا کرتا تھا۔ سردیوں کی دعوتوں میں دوسرے کسان اور زمیندار اس سے بھٹے مانگ کر لے جاتے تھے۔ جنہیں وہ دودھ میں ابال کر مہمانوں کو پیش کرتے تھے۔ اعوانوں کی زمین کا 'شیریں بھٹہ' علاقے میں مشہور تھا۔ "تیری چھلی پر انگور لگتے ہیں یکوب اعوان"، لوگ کہا کرتے تھے۔ "تیری زمین میں شکر ہے۔" وہ ہاتھ بڑھا کر ایک بھٹے کے ریشم جیسے پتوں کو سہلانے لگا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ ایک بھٹے کو چھیل کر دیکھے کہ اس کی خاصیت ویسی کی ویسی تھی یا کہ کھیت میں پڑنے والے رستے کی مانند بدل چکی ہے۔ اس نے زبان پہ اپنی مکی کے دودھ کے مزے کو

محسوس کیا جس میں تالو کو بھانے والی ہلکی سی مٹھاس اور کنوؤں کے گہرے پانیوں کی سی حلاوت تھی۔"(۱۵)

یعقوب اعوان کے ماضی میں یوں کھو جانے کی وجوہات بھی وہی ہیں جو ناسٹلجیا کے عناصر ہیں۔ اسے یہاں زمین تو مل گئی تھی لیکن ماضی کی زمین اس کے لیے زیادہ منافع بخش تھی۔ یہ منافع صرف مادی ہی نہیں بلکہ نفسیاتی تسکین کا باعث بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمین اور اس فصل کی یاد آتے ہی وہ حال سے نکل کر نفسیاتی طور پر ماضی میں پہنچ جاتا ہے اور ان فصلوں کی لذت اس کو زبان پہ محسوس ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر "اداس نسلیں" اور "نادار لوگ" دونوں میں ناسٹلجیا کے حوالے سے عناصر نہ ہونے کے برابر ہیں جب کہ "باگھ" میں عبداللہ حسین نے ناسٹلجیا سے بہت کام لیا ہے۔

عبداللہ حسین کا ناسٹلجیا ان کی ذاتی زندگی کا پرتو نظر آتا ہے۔ اب تک کی بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ناسٹلجیا کے حوالے سے گھر اور باپ کی یاد کو ہی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ان دونوں کو خود عبداللہ حسین کی زندگی میں بھی خاص مقام حاصل ہے۔ گھر سے ان کو بھی خاص انس تھا۔ انھوں نے زندگی میں خود ساختہ ہجرتیں اختیار تو کیں لیکن ہجرت کی صورت میں ہونے والی جلاوطنی ان کو اپنے گھر اور قبیلے سے دور نہ رکھ سکی۔ ان کے نزدیک جلاوطن کو اپنے قبیلے کی کشش سے فرار حاصل نہیں (۱۶)۔ "باگھ" میں جو ناسٹلجیائی کیفیت زیادہ ملتی ہے اس کے پس منظر میں بھی عبداللہ حسین کی زندگی کے اس دور کا عمل دخل نمایاں ہے جس دور میں وہ باگھ لکھ رہے تھے۔ اس ناول کے کرداروں کی بے کلی، ناسٹلجیائی کیفیت اور تنہائی کی بڑی وجہ بھی اس کی تخلیق کے وہ سال ہیں جن میں ذاتی تجربے کی بنیاد پر عبداللہ حسین کے ہاں تنہائی، اداسی او رغریب الوطنی کی کیفیات راسخ ہو چکی تھیں (۱۷)۔ ان حالات میں گھر کی یاد ان کے لیے تسکین کا باعث بنتی تھی۔ باگھ میں اسد کے باپ اور خود عبداللہ حسین کے باپ میں کئی حوالوں سے یکسانیت ملتی ہے۔ اسد کے باپ کی طرح عبداللہ حسین کا باپ بھی ان کے لیے باپ کم اور دوست زیادہ تھا، اسی طرح باہر کھیتوں میں کبھی اس سے کبھی خود سے باتیں کرنا، اسے زندگی کے اسرار و رموز سمجھانا اور اسے شکار پر ساتھ لے جانا بہت سی ایسی باتیں ہیں جو باگھ کی تخلیق کے دوران خود عبداللہ حسین کو اپنے ماضی میں لے جاتی ہیں۔ عبداللہ حسین کے ناولوں کے کرداروں کو دیکھا جائے تو ان کے سبھی ناولوں میں باپ کا کردار خاصا توانا نظر آتا ہے لیکن کہیں ماں کے کردار میں ایسی توانائی نظر نہیں آتی۔ اس کی بڑی وجہ بھی عبداللہ حسین کی زندگی کے نشیب و فراز ہیں۔ ان کا باپ نہ صرف ان کے کالج جانے کی عمر تک زندہ رہا بلکہ وہ ان کے لیے ہر حوالے سے دوست بھی ثابت ہوا لیکن ماں کی رفاقت انہیں زیادہ نصیب نہ ہوئی، نہ ہی وہ ماں کے حقیقی پیار سے آشنا ہو سکے۔ ان کے کرداروں میں ماں کے کردار کی وسعت محدود ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔ ناسٹلجیا کے حوالے سے ان کے کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے بھی باپ ہی سامنے آتا ہے کسی کردار کو ماں کے ساتھ گزرے ماضی کے لمحات کی نہ تو یاد ستاتی ہے اور نہ ہی وہ ماضی میں لوٹنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ یوں ان کے ناولوں کے کرداروں کا ناسٹلجیا ان کی ذات کا ناسٹلجیا بن جاتا ہے۔

حوالہ جات

1. Advanced Practical Dictionary (English to English and Urdu) with brief general knowledge, Azhar Publishers, Lahore, Pakistan, 2001, P-852

۲۔ شان الحق حقی (مترجم)، آکسفورڈ اردو ڈکشنری، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۵ء، ص:۱۱۱

3. John M. Hawkins, The Oxford English Urdu Mini Dictionary, Clarendo Press Oxford, Fourth Edition, 1994, P-347

4. David B. Guralnifon, Websters, New Word Dictionary of American Language, David B The Word Publishing Company, New York, 1997, P-973

۵۔ احمد سہیل، اردو افسانے کا ناسٹیلجیا، ملتان: تدوین پبلی کیشنز، س ن، ص:۳۳۔۳۲

۶۔ محمد عاصم بٹ، عبداللہ حسین شخصیت اور فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص:۵۸

۷۔ قاضی جاوید، ناسٹلجیا کے بارے میں چند باتیں، مشمولہ: ماہِ نو، ماہنامہ، لاہور: اکتوبر، ۱۹۸۰ ص: ۲۷

۸۔ عبداللہ حسین، اداس نسلیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص۴۹۹

۹۔ عبداللہ حسین، اداس نسلیں، ص۵۰۰

۱۰۔ عبداللہ حسین، اداس نسلیں، ص۴۹۹

۱۱۔ عبداللہ حسین، باگھ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص۳۸

۱۲۔ عبداللہ حسین، باگھ، ص۱۱

۱۳۔ عبداللہ حسین، باگھ، ص۱۱

۱۴۔ عبداللہ حسین، باگھ، ص۴۰

۱۵۔ عبداللہ حسین، نادار لوگ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴، ص۸۷

۱۶۔ عبداللہ حسین، نشیب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱، ص۲۱

۱۷۔ عاصم بٹ، سوانح حیات، مشمولہ ادبیات: عبداللہ حسین نمبر (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، شمارہ ۱۱۶۔۱۱۷، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۸ء) ص۱۷